۱۰

خدّام الاحمدیہ کا قیام اُس فوج کی روحانی ٹریننگ ہے جس نے احمدیت کے مخالفین کا مقابلہ کرنا ہے

(فرمودہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں نے خدّام الاحمدیہ کو گزشتہ پانچ چھ خطبات میں ایسے اُمور کی طرف توجہ دلائی ہے جن کی طرف توجہ کر کے وہ جماعت کے لوگوں میں بیداری اور دینداری پیدا کر سکتے ہیں اور نوجوانوں کا گروہ ہی ایک ایسا گروہ ہے جس کی زندگی پر قومی زندگی کا انحصار ہوتا ہے کیونکہ کسی اگلی پَود کا درست ہونا قومی عمر کو نہایت لمبے عرصہ تک پھیلا دیتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کی اوسط عمر ساٹھ سال سمجھی جائے اور نوجوانوں کی جماعت درست ہو جائے تو اُس کے معنے یہ ہوں گے کہ اگر نوجوانوں کو بیس سال کا بھی فرض کر لیا جائے تو اِس قوم کی عمر مزید چالیس سال تک لمبی ہو سکتی ہے۔ ایک ساٹھ سالہ بوڑھے کی درستی صرف ایک یا دو سال تک قوم کو فائدہ پہنچا سکتی ہے، ایک پچاس سالہ عمر والے انسان کی درستی اوسطاً دس سال تک قوم کو فائدہ پہنچا سکتی ہے، ایک چالیس سالہ شخص کی درستی اندازاً بیس سال تک قوم کو فائدہ پہنچا سکتی ہے اور تیس سالہ عمر والے کی درستی قوم کو اندازاً تیس سال تک فائدہ پہنچا سکتی ہے لیکن اگر بیس سالہ نوجوانوں کی درستی کر دی جائے تو وہ چالیس سال تک قوم کو فائدہ پہنچا سکتے اور اس کی خصوصیات اور روایات کو قائم

رکھ سکتے ہیں اور چالیس سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان کی اوسطاً عمر ساٹھ ستّر سال کے درمیان ہے اور اِدھر دس گیارہ سال کا لڑکا جوانی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اِس لئے درحقیقت اگر نوجوانوں کی درستی کر لی جائے تو وہ چالیس سال ہی نہیں بلکہ پچاس سے ساٹھ سال تک قوم کی حفاظت کا موجب بن جاتے ہیں اور پچاس ساٹھ سال تک کسی قوم کو نشوونما کا موقع مل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ اگر وہ قوم ہمت والی ہو، اگر وہ مُشکلات اور مصائب سے گھبرانے والی نہ ہو، اگر خدا کے وعدے اور اُس کی نصرتیں اُس کے ساتھ ہوں اور اگر اُس قوم کے نوجوان اور بوڑھے درست ہوں اور اُن کا اخلاقی اور مذہبی معیار بہت بُلند ہو تو وہ پچاس ساٹھ سال کے اندر اندر تمام دُنیا پر چھا جانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

درحقیقت اُتار چڑھاؤ ہی ہے جو قوموں کو نقصان پہنچایا کرتا اور اُن کی ترقیات کو روک دیتا ہے یعنی ایک وقت تو وہ جُوش میں آ جاتی اور بڑے زور شور سے کام شروع کر دیتی ہیں مگر دوسرے وقت گر جاتی ہیں۔ ایک وقت تو اُن کی ہمتیں نہایت بُلند ہوتی ہیں اور وہ مردانہ وار مصائب کے مقابلہ کا تہیّہ کر کے ترقی کی طرف بڑھنا شروع کر دیتی ہیں مگر دوسرے وقت بالکل دَب جاتی اور پَستی کی طرف گرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس قوم کی پَستی کا زمانہ اس کے اِن فوائد کو کمزور کر دیتا ہے جو اس نے اپنی ترقی کے ایّام میں حاصل کئے ہوتے ہیں مگر جب تمام قوم کا قدم یکساں طور پر آگے کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہو تو پچاس ساٹھ سال دُنیا بھر میں تغیّر پیدا کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ پس نوجوانوں کو درست کرنے اور اُن کے اخلاق کو سُدھارنے سے جماعت کو عظیم الشان فائدہ پہنچ سکتا ہے اور مَیں خدّام الاحمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُنہیں اپنے کام کی عظمت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے۔ خدّام الاحمدیہ دوسری انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے۔ وہ ہرگز اِس قابل نہیں کہ انہیں اِس میں شامل رکھا جائے۔ اِسی طرح وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر سلسلہ کی خدمت کا جزوی طور پر کچھ کام کریں گے وہ بھی اپنے کام کی اہمیت اور اُس کی عظمت سے بالکل ناواقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کے نوجوانوں کی درستی ہی اصل کام ہؤا کرتا ہے اور یہی کام ہے جو قوموں کی ترقی کے راستہ میں مُمِد اور معاون ہؤا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ابتدائے زمانہ میں

ایمان لانے والے زیادہ تر نوجوان ہی ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بوڑھے بوڑھے اِس کے سلسلہ میں شامل ہوں اور چند روز خدمت کر کے وہ وفات پا جائیں اور سلسلہ کی تعلیم کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے والے کوئی نہ رہیں۔ پس وہ بوڑھوں کی بجائے زیادہ تر نوجوانوں کو اپنے سلسلہ میں شامل کرتا ہے اور نوجوانوں کی جماعت کو ہی نبی کی تربیت میں رکھ کر درست کرتا ہے تاکہ وہ نبی کی وفات کے بعد ایک لمبے عرصہ تک اِس کے لائے ہوئے نور کو دُنیا میں پھیلا سکیں اور اِس کی تعلیم کی اشاعت اور ترویج میں حصّہ لے سکیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مبعوث ہوئے تو آپ کے مُقرب ترین صحابہ قریباً سارے ہی ایسے تھے جو عمر میں آپ سے چھوٹے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ سے اڑھائی سال عمر میں چھوٹے تھے، حضرت عمرؓ آپ سے ساڑھے آٹھ سال عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت علیؓ آپ سے ۲۹ سال عمر میں چھوٹے تھے۔ اِسی طرح حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ۲۰ سال سے لے کر ۲۵ سال تک آپ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ یہ نوجوانوں کی جماعت تھی جو آپ پر ایمان لائی اور اِس جوانی کے ایمان کی وجہ سے ہی مسلمانوں کی جماعت کو یہ فائدہ پہنچا کہ چونکہ یہ ایک لمبے عرصہ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت میں رہے تھے اور پھر ان کی عمریں چھوٹی تھیں اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہ لوگ ایک عرصۂ دراز تک لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعویٰ نبوت کے بعد ۲۳ سال کے قریب زندہ رہے ہیں۔ اب اگر ساٹھ سالہ بوڑھے ہی آپ پر ایمان لاتے اور نوجوان طبقہ اِس میں شامل نہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اِن میں سے اکثر مکّہ میں ہی وفات پا جاتے اور مدینہ کے لوگوں کے لئے نئی ٹریننگ شروع کرنی پڑتی کیونکہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ پہنچتے تو پہلی تمام جماعت ختم ہو چکی ہوتی اور آپ کو ضرورت محسوس ہوتی کہ ایک اور جماعت تیار کریں جو اسلام کی باتوں کو سمجھے اور آپ کے نمونہ کو دیکھ کر وہی نمونہ دوسروں کو اختیار کرنے کی تلقین کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کے لئے کس قدر مُشکلات ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اِس لئے ایسا انتظام فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکّہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو بجائے کسی نئی جماعت کی ٹریننگ کے وہی نوجوان جو مکّہ میں

آپ پر ایمان لائے تھے اِس قابل ہو چکے تھے کہ فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں۔ چنانچہ گیارہ سال کا علیؓ مدینہ پہنچتے وقت چوبیس سال کا جوان تھا اور ۱۷ سال کا زبیر مدینہ جاتے وقت تیس سال کا جوان تھا۔ یہی حال باقی نوجوان صحابہؓ کا بھی تھا۔ کوئی ان میں سے تیس سال کا تھا، کوئی چونتیس سال کا تھا اور کوئی پینتیس سال کا تھا۔ پس بجائے اِس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نئے سرے سے ایک جماعت بنانی پڑتی جب آپ مدینہ میں پہنچے اور کام وسیع ہو گیا تو آپ کو انہی نوجوانوں میں سے بہت سے مدرّس مل گئے جنہوں نے مکّہ میں آپ سے سبق حاصل کیا تھا اور پھر اَور دس سال تک مدینہ میں بھی انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی میں رہنے کا موقع مل گیا اور جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو اُس وقت چوبیس سال کا علیؓ چونتیس سال کا جوان تھا اور ابھی ایک لمبا عرصہ کام کا اُن کے سامنے پڑا تھا۔ اِسی طرح وہ زبیرؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے وقت ۱۷ سال کا تھا وہ اُس وقت چالیس سال کا جوان تھا تو یہ نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں باوجود ۲۳ سال آپ کے ساتھ کام کرنے کے جب آپ فوت ہوئے تو ابھی اُن کے سامنے ان کی زندگی کے بیس تیس سال کام کرنے کے لئے پڑے تھے اور پھر ہر ایک نے آپ کی وفات کے بعد اپنی اپنی عمر کے مطابق کام کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اڑھائی سال کام کرنے کا موقع مِلا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ساڑھے آٹھ سال کام کرنے کا موقع مِلا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد بیس سال کام کرنے کا موقع مِلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد چھبیس سال کام کرنے کا موقع مِلا۔ یہی حال طلحہؓ اور زبیرؓ کا بھی ہؤا۔ حتّٰی کہ بعض صحابہ اِس قسم کے بھی تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد پچاس پچاس سال تک زندہ رہے اور بعض ایسے بھی تھے گو اُن کی تعداد بہت کم ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ستّر، اسّی سال زندہ رہے۔ یہ نتیجہ تھا اِس بات کا کہ نوجوانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت ڈالی اور وہی نوجوان درست ہو کر ایک لمبی عمر تک خدمتِ اسلام کرتے رہے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ پہنچے تو اُس وقت حضرت انسؓ کی عمر کل دس سال کی تھی۔ دس سال وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور جب بیس سال کے ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وفات پا گئے مگر خود حضرت انسؓ کی وفات ایک سَو دس سال میں جا کر ہوئی۔[1] گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے نوّے سال بعد تک انہیں لوگوں کو اسلام کی تعلیم سکھانے کا موقع مِلا۔ بوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے وقت بہت نوجوان ہونے اور بہت لمبی عمر پانے کے یہ سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی تھے۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے اِس سلسلہ کو کہاں تک ممتد کر دیا مگر بہرحال اِس سلسلہ کا امتداد نوجوانوں کے ذریعہ ہی ہؤا۔ اگر سترّ اسّی سال کے بوڑھے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لاتے تو وہ کہاں کام کر سکتے تھے۔ اوّل تو اُن کی حالتوں کا سُدھرنا ہی مُشکل تھا اور اگر وہ درست بھی ہو جاتے تو اُن میں سے اکثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو جاتے اور اگر چند لوگ زندہ بھی رہتے تو پانچ سات سال کے بعد وہ بھی ختم ہو جاتے اور جماعت میں کوئی ایسا شخص نہ رہتا جو اسلام کی تعلیم سے پوری طرح واقف وآگاہ ہوتا۔

پس ابتدائی زمانہ میں نوجوانوں کا اسلام میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت تھی اور یہی وہ تدبیر تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دُشمن کا مقابلہ کیا اور اُس نے نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے آپ کی شاگردی میں رہ کر آپ سے تعلیم حاصل کی حتّٰی کہ بعض نے تو اپنا بچپن آپ کی نگرانی میں ہی گزارا۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ وہ گیارہ سال کی عمر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اِس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد بھی ایک لمبے عرصہ تک آپ کا تربیت یافتہ گروہ دُنیا میں موجود رہا اور اِس نے اپنی تعلیم اور تربیت سے ایک اور نئی اور اعلیٰ درجہ کی جماعت پیدا کر دی جو ان کی وفات کے بعد اسلام کے جھنڈے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رہی۔

پس خدّام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں۔ یہ نہایت ہی اہمیت رکھنے والا کام ہے اور درحقیقت خدّام الاحمدیہ میں داخل ہونا اور اِس کے مقررہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک اسلامی فوج تیار کرنا ہے۔ مگر ہماری فوج وہ نہیں جس کے ہاتھوں میں بندوقیں یا تلواریں ہوں

بلکہ ہماری فوج وہ ہے جس نے دلائل سے دُنیا پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ ہماری تلواریں اور ہماری بندوقیں وہ دلائل ہیں جو احمدیت کی صداقت کے متعلق ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ دعائیں ہیں جو ترقی احمدیت کے متعلق ہم ہر وقت مانگتے رہتے ہیں اور ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ اخلاقِ فاضلہ ہیں جو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

پس دلائل، مذہبی دُعائیں اور اخلاقِ فاضلہ یہی ہماری توپیں اور یہی ہماری تلواریں ہیں۔ اِنہی توپوں اور انہی تلواروں سے ہم نے دُنیا کے تمام ادیان کو فتح کر کے اسلام کا پرچم لہرانا اور اُن پر غلبہ واقتدار حاصل کرنا ہے اور اگر نوجوانوں میں یہ مُہم جاری رہی تو ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی مسلّح فوج تیار کر لیں گے جس کے مقابلہ میں کوئی دُشمن نہیں ٹھہر سکے گا اور واقع میں اگر ہماری جماعت کے نوجوان مذہب کی تعلیم سے واقف ہو جائیں، اگر وہ اِن دلائل سے واقف ہو جائیں جو غیر مذاہب کے مقابلہ میں ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں اور اگر وہ دُعاؤں سے کام لیں تو دُنیا کا کون سا انسان ہے جو اِن کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہو۔

بچپن سے مَیں نے مباحثات کے میدان میں قدم رکھا ہوا ہے۔ گو مجھے اِس قسم کے مباحثات سے نفرت ہے جو مولوی کیا کرتے ہیں مگر دوسروں سے علمی تبادلۂ خیالات مَیں بچپن کے زمانہ سے کرتا چلا آ رہا ہوں۔ پس اِس بارے میں میرا پینتیس سالہ تجربہ یہ ہے کہ مَیں نے آج تک دُنیا میں ایک انسان بھی ایسا نہیں دیکھا جو کوئی ایسی بات پیش کر سکے جو قرآنی اور احمدی تعلیم کے مقابلہ میں معقول بھی قرار دی جا سکے۔ ہر مذہب کے پیرووں سے میں نے باتیں کیں اور ہر قسم کے علوم رکھنے والوں سے میری گفتگوئیں ہوئیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ ایسا ہوا کہ یا تو ان کے اپنے ساتھیوں نے اقرار کیا کہ ہمارے آدمی کو جواب نہیں آیا اور یا اُنہوں نے کہا کہ ہمارے آدمی نے تعصب اختیار کر لیا ہے۔ ورنہ آپ کے مقابلہ میں جو بات پیش کی جا رہی ہے یہ کوئی معقول نہیں۔ دُنیا کا کوئی اعتراض ایسا نہیں جو قرآن مجید پر پڑتا ہو اور اِس کا کافی اور شافی جواب ہمارے پاس موجود نہ ہو یا اللہ تعالیٰ خود ایسے موقعوں پر مجھے جواب سمجھا نہ دیتا ہو بلکہ مَیں نے دیکھا ہے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ ایسے سوالوں کے جواب بھی سمجھا دیتا

ہے جو درحقیقت خارج از ضرورت ہوتے ہیں اور جنہیں پیش کرنا کوئی معقولیت نہیں ہوتی۔ دُنیا میں ایسی کئی باتیں ہوتی ہیں جن کا دریافت کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اب اگر کوئی شخص ایسا سوال کرے اور اس کا جواب نہ دیا جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی پوچھے کہ ظہر کی چار رکعتیں کیوں مقرر ہیں اور مغرب کی تین کیوں؟ اِسی طرح عشاء کی چار رکعتیں کیوں ہیں اور فجر کی دو کیوں؟ تو اِس بات کا جواب دینا ہمارے لئے کوئی ضروری نہیں۔ اگر ہم نماز پڑھنے والے کا خدا تعالیٰ سے تعلق ثابت کر سکتے ہیں، اگر ہم نماز کے متعلق یہ دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ روحانی ترقی کا صحیح ذریعہ ہے تو اس کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ مغرب کی تین رکعتیں کیوں ہیں اور فجر کی دو کیوں یا ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نماز کی چار چار رکعتیں کیوں ہیں ایک غیر ضروری سوال ہے۔ خدا تعالیٰ کی ان رکعتوں کے مقرر کرنے میں باریک در باریک حکمتیں ہیں جو ضروری نہیں کہ انسان کی سمجھ میں آسکیں اور اس کا ان حکمتوں کی دریافت کے پیچھے پڑنا نادانی ہے۔ اِس کا کام صرف یہ ہے کہ جب اِس پر یہ بات کھل گئی ہے کہ نماز پڑھنا خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور اِس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھے۔ اُسے اِس سے کیا کہ تین رکعتیں کیوں ہیں اور چار کیوں؟

مَیں نے پہلے بھی ایک دفعہ بتایا تھا کہ ایک دفعہ میں باہر سفر میں تھا کہ میرے لئے ایک دوائی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ قریب ہی ہسپتال تھا ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب وہاں دوا لینے گئے۔ سِول سرجن صاحب جو اُس وقت ہسپتال میں موجود تھے اُنہوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ انہیں ہسپتال میں لے آئیں۔ میری مدّت سے یہ خواہش ہے کہ اِنہیں دیکھوں۔ اِس طرح مَیں اپنی خواہش کو بھی پورا کرسکوں گا اور انہیں دیکھ کر کوئی نسخہ بھی تجویز کر دوں گا۔ چنانچہ مَیں گیا اور اُس نے دیکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ایک نسخہ لکھوایا۔ اِس میں صرف تین دوائیں پڑتی تھیں۔ ایک ٹنکچر نکس وامیکا تھی، دوسرا سوڈا بائیکارب اور تیسری دوائی مجھے یاد نہیں رہی۔ اُس نے کہا یہ نسخہ ہے جو تیار کر کے انہیں استعمال کرایا جائے۔ پھر وہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی طرف مخاطب ہؤا اور ان سے کہنے لگا مَیں نے فلاں دوائی کے اتنے قطرے لکھے ہیں اور فلاں دوائی کی مقدار اتنے گرین (GRAIN) لکھی ہے۔ مَیں بوڑھا ہونے کو آ گیا ہوں اور

چند مہینوں میں ریٹائر ہونے والا ہوں مَیں نہیں بتا سکتا کہ ایک دوا کے اتنے قطروں میں کیا حکمت ہے اور دوسری دوا کے اتنے گرین (GRAIN) ہونے میں کیا حکمت ہے مگر یہ یاد رکھیئے کہ اگر آپ میرے نسخہ سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تو قطروں اور گرینوں میں کوئی فرق نہ کیجئے۔ یہ نسبت اگر قائم رہے گی تو نسخہ فائدہ دے گا اور اگر آپ نے نسبت قائم نہ رکھی تو پھر مَیں اِس نسخہ کے مُفید ہونے کا ذمہ دار نہیں۔ آپ اگر پوچھیں کہ اِن دواؤں کی مختلف نسبتوں میں کیا حکمت ہے تو یہ مَیں بتا نہیں سکتا مگر میرا ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ یہی نسبت اگر اِس نسخہ میں قائم رکھی جائے تو فائدہ ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ اب اِس نسخہ کی دواؤں کے اور اِن کی نسبت میں کوئی حکمت ضرور تھی اور اُس ڈاکٹر کا وسیع تجربہ یہی بتا رہا تھا کہ اگر اِس نسبت کو قائم رکھا جائے تو فائدہ ہوتا ہے اور اگر قائم نہ رکھا جائے تو فائدہ نہیں ہوتا مگر وہ بتا نہیں سکتا تھا کہ اِس میں کیا حکمت ہے اور اُس نے ڈاکٹر صاحب کو بار بار کہا کہ اِس نسخہ کے اجزاء کے اَوزان میں کمی بیشی نہ ہو کیونکہ اِسی نسبت سے ہزاروں لوگوں نے فائدہ اُٹھایا ہے اور اگر اِس نسبت کو قائم نہ رکھا جائے تو فائدہ نہیں ہوتا۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی بعض باتوں کی حکمت انسانی سمجھ میں نہیں آتی مگر بہرحال جب ان باتوں کے فوائد ظاہر ہوں تو انسان حکمت معلوم کرنے کے جنون میں فائدہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے کہ تم نے کبھی کسی باپ کو نہیں دیکھا ہوگا جس کی اپنے بیٹے سے اِس لئے محبت کم ہوگئی ہو کہ اُسے معلوم نہیں اس کی تِلی کہاں ہے اور اس کا معدہ کہاں ہے اور اس کا جگر کہاں ہے اور اس کے پھیپھڑے کہاں ہیں؟ ہزاروں لاکھوں زمیندار ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ انسان کا دل کہاں ہوتا ہے اور اُس کا گردہ، جگر، معدہ اور پھیپھڑے کہاں ہوتے ہیں؟ شاید تم میں سے کئی اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ یہ کونسی بڑی بات ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ دل کہاں ہوتا ہے اور جگر کہاں ہوتا ہے اور تلی کہاں ہوتی ہے اور معدہ کہاں ہوتا ہے؟ مگر مَیں تمہیں بتاؤں اگر تم کسی ڈاکٹر کے سامنے کہو کہ جگر یہاں ہوتا ہے اور معدہ یہاں تو وہ فوراً تمہیں بتا دے گا کہ تم غلط سمجھتے ہو۔ پھر اِن لوگوں کو جانے دو جو جانتے ہی نہیں کہ معدہ تلی، جگر، گردہ اور پھیپھڑے وغیرہ کہاں ہوتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں اِن باتوں کا علم ہے مَیں نے دیکھا ہے اِن میں سے دس میں سے

تو ہمیشہ انتڑیوں کی جگہ کو معدہ سمجھتے ہیں یعنی جو قولن کی بڑی انتڑی ہوتی ہے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ہمیشہ اُسی کو معدہ سمجھتا ہے اور دل میں یہ خیال کر کے خوش رہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ڈاکٹری مَیں بھی جانتا ہوں وہ ہمیشہ انتڑیوں کی جگہ کو معدہ سمجھتا ہے اور ہاتھ لگا کر کہتا ہے کہ میرے معدے میں درد ہو رہا ہے حالانکہ وہ درد معدہ میں نہیں بلکہ انتڑی میں ہوتا ہے۔ تو تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی صحیح طور پر اِن اعضاء کا علم نہیں ہوتا۔ کُجا یہ کہ غیر تعلیم یافتہ طبقہ کو اِن باتوں کا علم ہو مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ کیا تم نے کبھی دیکھا کہ اِس علم کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ کہہ دے کہ مَیں اس وقت تک اپنے بیٹے سے محبت نہیں کر سکتا جب تک اِس کا پیٹ چاک کر کے یہ دیکھ نہ لوں کہ اس کا معدہ کہاں ہے اور جگر کہاں ہے اور تلی کہاں ہے اور پھیپھڑے کہاں ہیں؟ پھر جب اپنے بیٹے کے متعلق انسان ایسی بحثوں میں نہیں پڑتا تو خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق وہ کیوں اپریشن کرنا چاہتا ہے اور کیوں یہ خیال کرتا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق میرا فلاں فلاں سوال حل نہ ہو جائے اُس وقت تک میرا دل اِس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ کے بے شمار احسانات انسانوں پر ثابت ہو جائیں، اگر یہ واضح ہو جائے کہ انسان کو ہر لحہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کی رضا کی ضرورت ہے، اگر اس کے قُرب کی راہیں انسان پر کھل جائیں، اگر عرفان اور محبتِ الٰہی کی ضرورت انسان پر واضح ہو جائے اور اگر یہ بات کھل جائے کہ ہر انسان اِس بات کا محتاج ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے تو پھر انسان کو اِس سے کیا کہ خدا ازلی ابدی کیونکر ہو گیا؟ وہ غیر محدود کس طرح ہو گیا؟ اُس نے نیست سے ہست کس طرح کر دیا؟ تم اِن باتوں کو چھوڑ دو کہ ان کا محبت الٰہی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی انسان کی یہ طاقت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے بے انتہاء اندرونی اَسرار کو معلوم کر سکے تو ہر بات کی حکمت سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ محبت کے لئے صرف اِس قدر معرفت ضروری ہے کہ انسان کو وہ محاسن اور خوبیاں معلوم ہو جائیں جو اس کے محبوب کے اندر ہوں۔ اُسے اِس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ اِس کے محبوب کا جگر کہاں ہے اور معدہ اور گردے اور پھیپھڑے کہاں ہیں؟ مگر پھر بھی بعض دفعہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کی حکمتیں سمجھا دیتا ہے جن کی حکمتیں معلوم کرنے کی محبت اور معرفت کے لئے ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اِن حکمتوں کا

اِس سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔

تھوڑے ہی دن ہوئے ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ مغرب کی فرض نماز کی تین رکعتیں کیوں مقرر ہیں اور اِن رکعتوں کی تعداد تین مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ مَیں چونکہ بعض خطبات اور خطوط وغیرہ میں نماز کی رکعتوں کی حکمت کے متعلق وقتاً فوقتاً بعض باتیں بیان کر چُکا ہوں اِس لئے مَیں نے انہیں کہا کہ بعض دوستوں کے خطوں کے جوابات اور خطبوں وغیرہ میں ایسی باتیں چُھپ چکی ہیں آپ اگر معلوم کرنا چاہیں تو انہیں تلاش کر کے دیکھ لیں۔

وہ ایک دعوت کا موقع تھا جب یہ سوال میرے سامنے پیش ہؤا اور پھر اِس کے بعد اور باتیں شروع ہو گئیں اور اِس سوال کا خیال میرے ذہن سے بالکل جاتا رہا۔ اِس کے بعد ایک دن گزرا، پھر دوسرا دن گزرا اور پھر تیسرا دن شروع ہو گیا۔ تیسرے دن مغرب کی نماز کے بعد سُنتیں پڑھ کر مَیں تشہد میں بیٹھا تھا اور سلام پھیرنے کے قریب تھا کہ یکدم اللہ تعالیٰ نے مغرب کی نماز کی تین رکعتیں مقرر کرنے کی ایک جدید حکمت میرے دل میں ڈال دی اور عین سلام پھیرنے کے قریب جس طرح بجلی کی رَو جسم میں سرایت کر جاتی ہے اُسی طرح وہ علم میرے دل پر نازل ہؤا اور وہ یہ تھا کہ نمازیں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی بنائی ہیں۔ کچھ فرض نمازوں کا تو وہ حصّہ جو دن میں ادا کیا جاتا ہے اور کچھ فرض نمازوں کا وہ حصّہ ہے جو رات کے وقت ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دن اور رات کی نمازوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے کہ انہیں خوشی کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے اور مصیبتوں کے وقت میں بھی اس کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ترقی کے زمانہ میں بھی اس کی طرف جُھکنا چاہیئے اور تنزل کے زمانہ میں بھی اِس کے دروازہ پر گرا رہنا چاہیئے تو اِس حکمت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کو دو حصّوں میں منقسم کر دیا اور ایک حصّہ تو دن میں رکھا اور دوسرا حصّہ رات میں۔ اِس طرح پانچ نمازیں چوبیس گھنٹوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد انسان کو نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ دوسری طرف ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نظر آتا ہے کہ وہ طاق چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ طاق چیزوں کو پسند کرتا ہے وہ خود بھی ایک ہے اور دوسری اشیاء کے متعلق بھی وہ یہی پسند کرتا ہے کہ

وہ طاق ہوں۔[2] چنانچہ یہ حکمت ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے مگر یہ ایک الگ اور وسیع مضمون ہے جس کو اِس وقت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام قانونِ قدرت میں اللہ تعالیٰ نے طاق کو قائم رکھا ہے اور اس کے ہر قانون پر طاق حاوی ہے۔

قرآن کریم کے محاوروں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محاوروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سات کے عدد کو تکمیل کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو سات دن میں بنایا۔ اِسی طرح انسان کی روحانی ترقیات کے سات زمانے ہیں۔ پھر آسمانوں کے لئے بھی قرآن کریم میں سَبْعَ سَمٰوٰات[3] کے الفاظ آتے ہیں اور یہ طاق کا عدد ہے۔ تو طاق کا عدد اللہ تعالیٰ کے حضور خاص حکمت رکھتا ہے اور اِس کا مظاہرہ ہم تمام قانونِ قدرت میں دیکھتے ہیں۔

اب اِس قانون کے مطابق اگر فرض نمازوں کی رکعات کو جمع کرو تو وہ طاق ہی بنتی ہیں۔ چنانچہ ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین، عشاء کی چار اور فجر کی دو۔ کُل ۱۷ رکعات ہوتی ہیں اور اِس طرح فرض نماز کی رکعتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے طاق کی نسبت کو قائم رکھا ہے۔

پس چونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں میں طاق مدّنظر رکھا گیا ہے اِس لئے پانچ نمازوں میں سے ایک فرض نماز کی رکعتیں تین کر دی گئیں تا کہ طاق کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو قانون ہے وہ نمازوں میں بھی آجائے۔ اِسی طرح وتروں کی نماز کو طاق اِس لئے بنایا گیا ہے کہ نوافل بھی طاق ہو جائیں اور اِسی وجہ سے وتروں کو معمولی سنتوں سے زیادہ وقعت دے دی گئی ہے تا کہ مسلمان انہیں ضرور ادا کرے اور اِس کے نوافل طاق ہو جایا کریں اور یہی وجہ ہے کہ وتروں کے سوا اور کوئی نفل طاق نہیں ہوتا۔ تا دو طاق مل کر جفت نہ ہو جائیں اور یہی حکمت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر کبھی عشاء کے وقت وتر پڑھ لیتے تو تہجد کے وقت ایک رکعت پڑھ کر انہیں جفت کر دیتے[4] تا کہ تہجد کے آخر میں آپ وتر پڑھ سکیں اور اِن کے پڑھنے سے نوافل جفت نہ ہو جائیں۔

اب اِس پر سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مغرب کی نماز کی ہی تین رکعتیں کیوں مقرر کی گئی ہیں؟ کسی اور نماز کی تین رکعتیں کیوں مقرر نہیں کر دی گئیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس سوال کا بھی

جواب سمجھایا اور وہ یہ کہ دن کی نمازوں کی رکعات ہیں آٹھ اور رات کی فرض نمازوں کی رکعات ہیں نَو۔ چنانچہ دیکھ لو! مغرب کی تین، عشاء کی چار اور فجر کی دو کُل ۹ رکعت بنتی ہیں۔ چونکہ مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اِس لئے یہ دونوں نمازیں بھی دراصل رات کی ہی نمازیں ہیں اور ان نمازوں کی ایک رکعت زیادہ کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ انسان کو تکلیفوں اور مصیبتوں کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ جھکنا چاہئے تا کہ وہ اِس کے فضلوں کو جذب کر سکے۔ اِسی لئے دن کے وقت اللہ تعالیٰ نے آٹھ رکعات نماز کی رکھیں اور رات کے وقت نَو۔ باقی رہا مقام کا سوال کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک رکعت کی زیادتی مغرب میں کیوں کی ہے؟ کسی اور نماز میں کیوں نہیں کر دی؟ تو اِس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا اور وہ یہ کہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے خاص طور پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی تلاوتِ قرآن کی خبر دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان سو کر اُٹھتا ہے تو اُس وقت اُس کی زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے اور نئے دَور کے ابتداء کے وقت ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنے اندر بُلند ارادے پیدا کرے اور کہے کہ مَیں یوں کروں گا، مَیں ووں کروں گا اور یہ تمام باتیں چونکہ قرآن کریم میں موجود ہیں اِس لئے جب سو کر اُٹھنے کے بعد انسان کی زندگی کا نیا دَور شروع ہوتا ہے اُسے اِس کے روحانی پروگرام کی طرف توجہ دلانے کے لئے اسلام نے اس وقت قرآن کریم کی لمبی تلاوت مقرر کر دی اور حکم دیا کہ فجر کی نماز میں قرآن کریم کی لمبی تلاوت کی جائے اور چونکہ خدا تعالیٰ کا معاملہ احکام میں یُسر کا ہے عسر کا نہیں اِس لئے فجر کی نماز اس نے باقی تمام نمازوں سے چھوٹی کر دی تا کہ لمبی تلاوت کی جا سکے۔ پس فجر کی نماز کو تو اس نے چھوٹا کیا لیکن تلاوتِ قرآن کو لمبا کر دیا۔ کیونکہ اس وقت اِس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے مضامین بار بار سامنے آئیں۔ پس فجر کی نماز کو چھوٹا کرنا ضروری تھا تا تلاوت کو لمبا کیا جا سکے۔ یہ نماز درحقیقت عصر کی نماز کے مقابل پر ہے اور ظاہر میں اِس کے عدد کو عصر کے ساتھ اِس طرح بھی مشابہت ہو جاتی ہے کہ عصر کے ساتھ کوئی سُنت مؤکّدہ نہیں ہیں اور صبح کے ساتھ دو سنتیں ایسی ہیں جو عام مؤکّدہ ہیں۔ اِس طرح صبح کی رکعتیں بھی چار ہو جاتی ہیں اور عصر کی بھی چار ہوتی ہیں۔

اس کے مقابل پر عشاء کی نماز ظہر کے مقابل پر ہے اور اِس میں دو سنتیں اور تین وتر لازمی ہیں۔ وتر کی رکعت نکال دی جائے تو چار نوافل ہو جاتے ہیں۔ یہ ظہر کی دو دو سنتیں فرض کر کے ظہر کی سُنتوں کے برابر ہو جاتی ہیں لیکن اگر چھ یا آٹھ سنتیں قرار دی جائیں تو پھر یہ کم رہ جاتی ہیں لیکن جب دیکھا جائے کہ اِس کے بعد تہجد پر زور دیا گیا ہے تو ظہر کے نوافل کی کمی کا ازالہ اِس سے ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وتروں کے بعد بھی دو نفل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاص تعہّد سے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔[5] اِس سے بھی ظہر اور عشاء کی رکعات برابر ہو جاتی ہیں مگر یہ ایک وسیع مضمون ہے۔ مَیں نے اشارۃً اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

غرض عشاء کی نماز جو عصر کی نماز کے مقابلہ میں تھی اِس میں کسی زیادتی کی گنجائش نہیں تھی۔ صرف مغرب کی نماز ہی رہتی تھی جسے طاق بنانے کے لئے اِس میں ایک رکعت کی زیادتی کی جاسکتی تھی۔ اِسی حکمت کے ماتحت خدا تعالیٰ نے مغرب کی نماز کی تین رکعتیں مقرر کر دیں کیونکہ کسی نماز کا تین رکعت پر مشتمل ہونا نمازوں کے طاق بنانے کے لئے ضروری تھا اور اِدھر ضروری تھا کہ یہ زیادتی رات کی نمازوں میں کی جائے۔ یہ جتانے کے لئے کہ مصیبت کے وقت انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر رات کی نمازوں میں سے فجر میں یہ زیادتی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ وہاں لمبی تلاوت قرآن کا حکم دے دیا گیا تھا۔ عشاء کی نماز میں بھی یہ زیادتی نہیں ہوسکتی تھی صرف مغرب کی نماز رہتی تھی۔ سو خُدا نے مغرب کی نماز میں مسلمانوں کو تین رکعت پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اب بظاہر اِس حکمت کے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنا چاہئے نہ یہ کہ تفصیلات میں پڑ کر انسان باریک در باریک حکمتیں معلوم کرنے کی کوشش کرے اور اگر ایسی ہی باتوں میں انسان مصروف ہو جائے تو کہہ سکتا ہے کہ پہلے رکوع کیوں رکھا اور سجدہ بعد میں کیوں رکھا؟ کیوں نہ سجدہ پہلے رکھ دیا اور رکوع بعد میں؟ اور گو اِس میں بھی حکمتیں ہیں مگر تمہارا کام یہ نہیں کہ تم اِن باتوں میں اپنا وقت ضائع کرو۔ تمہیں جب رکوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم رکوع کرو، جب سجدہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو سجدہ کرو۔ تم پر جب نماز کی حقیقت منکشف ہو چکی ہے تو تمہارا یہ کام ہے کہ جس طرح خدا نے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے اِسی طرح تم نمازیں پڑھو نہ یہ کہ چھوٹی چھوٹی بات کی حکمت

دریافت کرنے کے پیچھے لگ جاؤ۔ تو ضروری نہیں ہوتا کہ اِن باتوں کی حکمتیں سمجھائی جائیں۔ مگر بعض دفعہ اللہ تعالیٰ سمجھا بھی دیتا ہے اور اِس طرح قرآنی علوم کھولتا رہتا ہے۔

بہرحال مباحثات کے باب میں میرا وسیع تجربہ یہ ہے کہ قرآنی علوم ایسے ہیں کہ ان کا مقابلہ کوئی دُشمن نہیں کرسکتا۔ اگر ہماری جماعت کے نوجوان اِن قرآنی علوم کو سیکھ لیں تو جو دلائل اور براہین کی لڑائی ہے اس میں کوئی بڑے سے بڑا لشکر بھی ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ دوسری چیز عمل ہے۔ اگر نوجوان اخلاقِ فاضلہ سیکھ لیں اور پھر عملی طور پر بھی ان کا قدم ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتا چلا جائے تو دُنیا کیا بڑے بڑے دینوں پر بھی وہ غالب آسکتے ہیں۔ تیسری چیز سامانوں کی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کامیابی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اِس کے لئے مَیں نے دُعا کا طریق بتایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوں اور ہمارے سامانوں کی کمی کو پورا کردیں اور یقیناً اگر ہماری جماعت کے نوجوان نہ صرف دلائل سے کام لینے والے ہوں، نہ صرف اخلاقِ فاضلہ کے مالک ہوں بلکہ دُعاؤں سے بھی کام لینے کے عادی ہوں تو ان کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔

مَیں نے خدّام الاحمدیہ کے سامنے ایک پروگرام پیش کردیا ہے اور مَیں انہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اِن باتوں کو یاد رکھیں جو مَیں نے بیان کی ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو قومی اور مُلکی خدمات کے لئے تیار رکھیں۔ دُنیا میں قریب ترین عرصہ میں عظیم الشان تغیرات رونما ہونے والے ہیں اور درحقیقت تحریک جدید ایک ہنگامی چیز کے طور پر میرے ذہن میں آئی تھی اور جب مَیں نے اِس تحریک کا اعلان کیا ہے اُس وقت خود مجھے بھی اِس تحریک کی کئی حکمتوں کا علم نہیں تھا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ایک نیّت اور ارادہ کے ساتھ مَیں نے یہ سکیم جماعت کے سامنے پیش کی تھی کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ جماعت کی اُن دنوں حکومت کے بعض افسروں کی طرف سے شدید ہتک کی گئی تھی اور سلسلہ کا وقار خطرے میں پڑ گیا تھا۔ پس مَیں نے چاہا کہ جماعت کو اِس خطرے سے بچاؤں مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانی قلب پر تصرف کرتی اور روح القدس اُس کے تمام ارادوں اور کاموں پر حاوی ہوجاتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں میری زندگی میں بھی یہ ایسا ہی واقعہ تھا۔ جبکہ روح القدس میرے دل پر اُترا اور وہ میرے دماغ پر ایسا حاوی ہوگیا کہ مجھے یوں محسوس ہؤا گویا اس نے مجھے

ڈھانک لیا ہے اور ایک نئی سکیم، ایک دُنیا میں تغیر پیدا کر دینے والی سکیم میرے دل میں نازل کر دی اَور مَیں دیکھتا ہوں کہ میری تحریک جدید کے اعلان سے پہلے کی زندگی اور بعد کی زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ قرآنی نکتے مجھ پر پہلے بھی کھلتے تھے اور اب بھی کھُلتے ہیں مگر پہلے کوئی معیّن سکیم میرے سامنے نہیں تھی جس کے قدم قدم کے نتیجہ سے مَیں واقف ہوں اور مَیں کہہ سکوں کہ اِس اِس رنگ میں ہماری جماعت ترقی کرے گی مگر اب میری حالت ایسی ہی ہے کہ جس طرح انجینئر ایک عمارت بناتا اور اسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ عمارت کب ختم ہوگی، اِس میں کہاں کہاں طاقچے رکھے جائیں گے؟ کتنی کھڑکیاں ہوں گی، کتنے دروازے ہوں گے؟ کتنی اونچائی پر چھت پڑے گی؟ اِسی طرح دنیا کی اسلامی فتح کی منزلیں اپنی بہت سی تفاصیل اور مُشکلات کے ساتھ میرے سامنے ہیں۔ دُشمنوں کی بہت سی تدبیریں میرے سامنے بے نقاب ہیں۔ اِس کی کوششوں کا مجھے علم ہے اور یہ تمام امور ایک وسیع تفصیل کے ساتھ میرے آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ تب مَیں نے سمجھا کہ یہ واقعہ اور فساد خدا تعالیٰ کی خاص حکمت نے کھڑا کیا تھا تا وہ ہماری نظروں کو اُس عظیم الشان مقصد کی طرف پھرا دے جس کے لئے اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ پس پہلے میں صرف اِن باتوں پر ایمان رکھتا تھا مگر اب مَیں صرف ایمان ہی نہیں رکھتا بلکہ مَیں تمام باتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ کو کس رنگ میں نقصان پہنچایا جائے گا؟ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ پر کیا کیا حملہ کیا جائے گا؟ اور مَیں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے ان حملوں کا کیا جواب دیا جائے گا۔ ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے اور اِسی کا ایک حصّہ خدّام الاحمدیہ ہیں اور درحقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے اُس فوج کی جس فوج نے احمدیت کے دُشمنوں سے مقابلہ میں جنگ کرنی ہے، جس نے احمدیت کے جھنڈے کو فتح اور کامیابی کے ساتھ دُشمن کے مقام پر گاڑنا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو ان باتوں سے واقف نہیں وہ میری اِن باتوں کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہر شخص قبل از وقت اِن باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو وہ اپنے کسی بندے کو دیتا ہے۔ مَیں خود بھی اس وقت تک اِن باتوں کو نہیں سمجھا تھا جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان امور کا انکشاف نہ کیا۔ پس تم اِن باتوں کو نہیں سمجھ سکتے اور بیشک تم کہہ سکتے ہو کہ ہمیں تو کوئی بات نظر نہیں آتی لیکن مجھے تمام باتیں نظر آ رہی ہیں۔

آج نوجوانوں کی ٹریننگ اور ان کی تربیت کا زمانہ ہے اَور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہورہا مگر جب قوم تربیت پاکر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دُنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے اور یہ چیز ہماری جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت میں قربانیوں کا مادہ بہت کچھ ہے مگر ابھی یہ جذبہ اُن کے اندر اپنے کمال کو نہیں پہنچا کہ جونہی ان کے کانوں میں خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اُس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے ان کو اُٹھا لیا ہے اور صورِ اسرافیل اُن کے سامنے پھُونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اُس وقت انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف ان پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔ جب وہ کہے بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں، جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔جس دن یہ روح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی اُس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا اور اُسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے اِسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اِس کے پنجہ میں آجائیں گے اور دُنیا میں اِسلام کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا۔'' (الفضل ۷؍اپریل ۱۹۳۹ء)

۱؎ اسد الغابة جلد۱ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ ریاض ۱۳۸۴ھ

۲؎ بخاری کتاب الدعوات باب لله مائة اسم

۳؎ البقرة :۳۰

۴؎ مصنَّف ابن ابی شیبة کتاب الصلٰوة باب فی الرجل یوتِرُ ثم یقوم بعد ذٰلک۔
کے مطابق روایات سے حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعد بن مالکؓ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

۵؎ السنن الکبری بیہقی کتاب الصلٰوة باب فی الرکعتین بعدالوتر۔